تفہیم القرآن

الشُّورٰی

(۴)

جس کو اللہ ہی گمراہی میں پھینک دے اُس کا کوئی سنبھالنے والا اللہ کے بعد نہیں ہے۔[۶۹]
تم دیکھو گے کہ یہ ظالم جب عذاب دیکھیں گے تو کہیں گے اب پلٹنے کی بھی کوئی سبیل ہے؟[۷۰] اور
تم دیکھو گے کہ یہ جہنم کے سامنے جب لائے جائیں گے تو ذلت کے مارے جھکے جا رہے ہوں گے
اور اُس کو نظر بچا بچا کر کن انکھیوں سے دیکھیں گے۔[۷۱] اُس وقت وہ لوگ جو ایمان لائے تھے،

۶۹؎ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے قرآن جیسی بہترین کتاب اِن لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجی جو نہایت معقول اور نہایت مؤثر و دلنشین طریقہ سے اِن کو حقیقت کا علم دے رہی ہے اور زندگی کا صحیح راستہ بتا رہی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نبی اِن کی رہنمائی کے لیے بھیجا جس سے بہتر سیرت و کردار کا آدمی کبھی ان کی نگاہوں نے نہ دیکھا تھا۔ اور اِس کتاب اور اِس رسول کی تعلیم و تربیت کے نتائج بھی اللہ نے ایمان لانے والوں کی زندگیوں میں انہیں آنکھوں سے دکھا دیئے۔ اب اگر کوئی شخص یہ سب کچھ دیکھ کر بھی ہدایت سے مُنہ موڑتا ہے تو اللہ پھر اُسی گمراہی میں اُسے پھینک دیتا ہے جس سے نکلنے کا وہ خواہشمند نہیں ہے۔ اور جب اللہ ہی نے اسے اپنے دروازے سے دھتکار دیا تو اب کون یہ ذمہ لے سکتا ہے کہ اسے راہِ راست پر لے آئے گا۔

۷۰؎ یعنی آج جبکہ پلٹ آنے کا موقع ہے، یہ پلٹنے سے انکار کر رہے ہیں۔ کل جب فیصلہ ہو چکے گا اور سزا کا حکم نافذ ہو جائے گا اُس وقت اپنی شامت دیکھ کر یہ چاہیں گے کہ اب انہیں پلٹنے کا موقع ملے۔

۷۱؎ انسان کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی ہولناک منظر اُس کے سامنے ہوتا ہے اور وہ جان رہا ہوتا ہے کہ عنقریب وہ اُس بلا کے چنگل میں آنے والا ہے جو سامنے نظر آ رہی ہے، تو پہلے تو ڈر کے مارے وہ آنکھیں بند

کہیں گے کہ واقعی اصل زیاں کار وہی ہیں جنہوں نے آج قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو خسارے میں ڈال دیا۔ خبردار رہو، ظالم لوگ مستقل عذاب میں ہونگے اور ان کے کوئی حامی و سرپرست نہ ہونگے جو اللہ کے مقابلے میں ان کی مدد کو آئیں۔ جسے اللہ گمراہی میں پھینک دے اس کے لیے بچاؤ کی کوئی سبیل نہیں۔

مان لو اپنے رب کی بات قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس کے ٹلنے کی کوئی صورت اللہ کی طرف سے نہیں ہے[۴۲]۔ اُس دن تمہارے لیے کوئی جائے پناہ نہ ہوگی اور نہ کوئی تمہارے حال کو بدلنے کی کوشش کرنے والا ہوگا[۴۳]۔ اب اگر یہ لوگ مُنہ موڑتے ہیں تو اے نبی، ہم نے تم کو ان پر نگہبان بنا کر تو نہیں بھیجا ہے[۴۴]۔ تم پر تو صرف بات پہنچا دینے کی ذمّہ داری ہے۔ انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اسے اپنی رحمت کا مزا چکھاتے ہیں تو پھُول جاتا ہے، اور اگر اس کے اپنے ہاتھوں کا کیا دھرا کسی مصیبت کی شکل میں اُس پر اُلٹ پڑتا ہے تو سخت ناشکرا بن جاتا ہے[۴۵]۔

کرلیتا ہے۔ پھر اس سے رہا نہیں جاتا۔ دیکھنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ بلا کیسی ہے اور ابھی اُس سے کتنی دُور ہے۔ لیکن اِس کی بھی ہمت نہیں پڑتی کہ سر اٹھا کر نگاہ بھر کر اسے دیکھے۔ اس لیے وہ بار بار ذرا سی آنکھیں کھول کر اسے گوشۂ چشم سے دیکھتا ہے اور پھر ڈر کے مارے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ جہنم کی طرف جانے والوں کی اسی کیفیت کا نقشہ اس آیت میں کھینچا گیا ہے۔

[۴۲] یعنی نہ اللہ خود اُسے ٹالے گا اور نہ کسی دوسرے میں یہ طاقت ہے کہ اسے ٹال سکے۔

[۴۳] اصل الفاظ ہیں مَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ۔ اِس فقرے کے کئی مفہوم اور بھی ہیں۔ ایک یہ کہ تم اپنے کرتوتوں میں سے کسی کا انکار نہ کر سکو گے۔ دوسرے یہ کہ تم بھیس بدل کر کہیں چھُپ نہ سکو گے۔ تیسرے یہ کہ تمہارے ساتھ جو کچھ بھی کیا جائے گا اُس پر تم کوئی احتجاج اور اظہار ناراضی نہ کر سکو گے۔ چوتھے یہ کہ تمہارے بس میں یہ نہ ہوگا کہ جس حالت میں تم مبتلا کیے گئے ہو اسے بدل سکو

[۴۴] یعنی تمہارے اُوپر یہ ذمہ داری تو نہیں ڈالی گئی ہے کہ تم انہیں ضرور راہ راست پر لا کے رہو اور نہ اس بات کی تم سے کوئی باز پرس ہونی ہے کہ یہ لوگ کیوں راہ راست پر نہ آئے۔

اللہ زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے[۷۶]، جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں ملا جُلا کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔ وہ سب کچھ جانتا اور ہر چیز پر قادر ہے[۷۸]۔

---

[۷۵] انسان سے مراد یہاں وہ چھچھورے اور کم ظرف لوگ ہیں جن کا اوپر سے ذکر چلا آرہا ہے جنہیں دنیا کا کچھ رزق مل گیا ہے تو اُس پر پھولے نہیں سماتے اور سمجھا کر راہِ راست پر لانے کی کوشش کی جاتی ہے تو سُن کر نہیں دیتے۔ لیکن اگر کسی وقت اپنے ہی کرتوتوں کی بدولت اُن کی شامت آجاتی ہے تو قسمت کو رونا شروع کر دیتے ہیں، اور اُن ساری نعمتوں کو بھول جاتے ہیں جو اللہ نے اُنہیں دی ہیں اور کبھی یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ جس حالت میں وہ مبتلا ہوتے ہیں اُس میں اُن کا اپنا کیا قصور ہے۔ اس طرح نہ خوشحالی اُن کی اصلاح میں مددگار ہوتی ہے، نہ بدحالی ہی انہیں سبق دے کر راہِ راست پر لاسکتی ہے۔ سلسلۂ کلام کو نگاہ میں رکھا جائے تو معلوم ہوجاتا ہے کہ دراصل یہ اُن لوگوں کے رویّے پر طنز ہے جو اوپر کی تقریر کے مخاطب تھے۔ مگر اُن کو خطاب کرکے یہ نہیں کہا گیا کہ تمہارا حال یہ ہے، بلکہ بات یُوں کہی گئی کہ انسان میں عام طور پر یہ کمزوری پائی جاتی ہے اور یہی اُس کے بگاڑ کا اصل سبب ہے۔ اِس سے حکمتِ تبلیغ کا یہ نکتہ ہاتھ آتا ہے کہ مخاطب کی کمزوریوں پر براہِ راست چوٹ نہیں کرنی چاہیے، بلکہ عمومی انداز میں اُن کا ذکر کرنا چاہیے، تاکہ وہ چڑ نہ جائے، اور اُس کے ضمیر میں اگر کچھ بھی زندگی باقی ہے تو ٹھنڈے دل سے اپنے عیب کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

[۷۶] یعنی کفر و شرک کی حماقت میں جو لوگ مبتلا ہیں وہ اگر سمجھانے سے نہیں مانتے تو نہ مانیں، حقیقت اپنی جگہ حقیقت ہے۔ زمین و آسمان کی بادشاہی دنیا کے نام نہاد بادشاہوں اور جباروں اور سرداروں کے حوالے نہیں کر دی گئی ہے، نہ کسی نبی یا ولی یا دیوی اور دیوتا کا اس میں کوئی حصہ ہے، بلکہ اس کا مالک اکیلا اللہ تعالیٰ ہے۔ اُس سے بغاوت کرنے والا نہ اپنے بل بوتے پر جیت سکتا ہے، نہ اُن ہستیوں میں سے کوئی آکر اسے بچا سکتی ہے جنہیں لوگوں نے اپنی حماقت سے خدائی اختیارات کا مالک سمجھ رکھا ہے۔

[۷۷] یہ اللہ کی بادشاہی کے مطلق (ABSOLUTE) ہونے کا ایک کھلا ہوا ثبوت ہے۔ کوئی

کسی بشر کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اُس سے رُوبرو بات کرے۔[۷۸] اُس کی بات یا تو وحی (اشارے) کے طور پر ہوتی ہے،[۷۹] یا پردے کے پیچھے سے،[۸۰] یا پھر وہ کوئی پیغام بر (فرشتہ) بھیجتا ہے اور وہ اُس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہتا ہے، وحی کرتا ہے،[۸۱] وہ برتر اور حکیم ہے۔[۸۲] اور اِسی طرح اے محمدؐ، ہم نے اپنے

انسان، خواہ وہ بڑے سے بڑے دنیوی اقتدار کا مالک بنا پھرتا ہو، یا روحانی اقتدار کا مالک سمجھا جاتا ہو، کبھی اس پر قادر نہیں ہو سکا ہے کہ دوسروں کو اولاد دلوانا تو درکنار، خود اپنے ہاں اپنی خواہش کے مطابق اولاد پیدا کر سکے۔ جسے خدا نے بانجھ کر دیا وہ کسی دوا اور کسی علاج اور کسی تعویذ گنڈے سے اولاد والا نہ بن سکا۔ جسے خدا نے لڑکیاں ہی لڑکیاں دیں وہ ایک بیٹا بھی کسی تدبیر سے حاصل نہ کر سکا، اور جسے خدا نے لڑکے ہی لڑکے دیئے وہ ایک بیٹی بھی کسی طرح نہ پا سکا۔ اس معاملہ میں ہر ایک قطعی بے بس رہا ہے، بلکہ بچے کی پیدائش سے پہلے کوئی یہ تک نہ معلوم کر سکا کہ رحمِ مادر میں لڑکا پرورش پا رہا ہے یا لڑکی۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی اگر کوئی خدائی میں مختارِ کل ہونے کا زعم کرے، یا کسی دوسری ہستی کو اختیارات میں دخیل سمجھے تو یہ اس کی اپنی ہی بے بصیرتی ہے جس کا خمیازہ وہ خود بھگتے گا۔ کسی کے اپنی جگہ کچھ سمجھ بیٹھنے سے حقیقت میں ذرہ برابر بھی تغیّر واقع نہیں ہوتا۔

[۷۸] تقریر ختم کرتے ہوئے اُسی مضمون کو پھر لیا گیا ہے جو آغازِ کلام میں ارشاد ہوا تھا۔ بات کو پوری طرح سمجھنے کے لیے اس سورہ کی پہلی آیت اور اس کے حاشیے پر دوبارہ ایک نگاہ ڈال لیجیے۔

[۷۹] یہاں وحی سے مراد ہے القاء، الہام، دل میں کوئی بات ڈال دینا، یا خواب میں کچھ دکھا دینا جیسے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یوسفؑ کو دکھایا گیا (یوسف، آیات ۴-۱۰۰۔ الصّافات ۱۰۲)۔

[۸۰] مراد یہ ہے کہ بندہ ایک آواز سُنے، مگر بولنے والا اُسے نظر نہ آئے۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ہوا کہ طُور کے دامن میں ایک درخت سے یکایک انہیں آواز آنی شروع ہوئی مگر بولنے والا ان کی نگاہ سے اوجھل تھا (طٰہٰ، آیات ۱۱ تا ۴۸۔ النمل، آیات ۸ تا ۱۲۔ القصص، آیات ۳۰ تا ۳۵)

[۸۱] یہ وحی کے آنے کی وہ صورت ہے جس کے ذریعہ سے تمام کتبِ آسمانی انبیاء علیہم السلام تک پہنچی ہیں۔ بعض لوگوں نے اِس فقرے کی غلط تاویل کر کے اس کو یہ معنی پہنائے ہیں کہ "اللہ کوئی رسول بھیجتا ہے جو اس کے حکم سے عام لوگوں تک اُس کا پیغام پہنچاتا ہے"۔ لیکن قرآن کے الفاظ فَیُوحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَاءُ

حکم سے ایک روح تمہاری طرف وحی کی ہے۸۳۔ تمہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان

(پھر وہ وحی کرتا ہے اُس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہتا ہے) ان کی اس تاویل کا غلط ہونا بالکل عیاں کر دیتے ہیں۔ عام انسانوں کے سامنے انبیاء کی تبلیغ کو "وحی کرنے" سے نہ قرآن میں کہیں تعبیر کیا گیا ہے اور نہ عربی زبان میں انسان کی انسان سے علانیہ گفتگو کو "وحی" کے لفظ سے تعبیر کرنے کی کوئی گنجائش ہے۔ لغت میں وحی کے معنی ہی خفیہ اور سریع اشارے کے ہیں۔ انبیاء کی تبلیغ پر اس لفظ کا اطلاق صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو عربی زبان سے بالکل نابلد ہو۔

۸۲ یعنی وہ اس سے بہت بالا و برتر ہے کہ کسی بشر سے رُو در رو کلام کرے۔ اور اس کی حکمت اس سے عاجز نہیں ہے کہ اپنے کسی بندے تک اپنی ہدایات پہنچانے کے لیے رُو برو بات چیت کرنے کے سوا کوئی اور تدبیر نکال لے۔

۸۳ "اِسی طرح" سے مراد محض آخری طریقہ نہیں ہے بلکہ وہ تینوں طریقے ہیں جو اوپر کی آیات میں مذکور ہوئے ہیں، اور "روح" سے مراد وحی، یا وہ تعلیم ہے جو وحی کے ذریعہ سے حضورؐ کو دی گئی۔ یہ بات قرآن اور حدیث دونوں سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اِن تینوں طریقوں سے ہدایات دی گئی ہیں:۔

(۱) حدیث میں حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنے کی ابتدا ہی سچے خوابوں سے ہوئی تھی (بخاری و مسلم)۔ یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا ہے، چنانچہ احادیث میں آپ کے بہت سے خوابوں کا ذکر ملتا ہے جن میں آپ کو کوئی تعلیم دی گئی ہے یا کسی بات پر مطلع کیا گیا ہے، اور قرآن مجید میں بھی آپ کے ایک خواب کا صراحت کے ساتھ ذکر آیا ہے (الفتح۔ آیت ۲۷)۔ اس کے علاوہ متعدد احادیث میں یہ ذکر بھی آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، فلاں بات میرے دل میں ڈالی گئی ہے، یا مجھے یہ بتایا گیا ہے، یا مجھے یہ حکم دیا گیا ہے، یا مجھے اس سے منع کیا گیا ہے۔ ایسی تمام چیزیں وحی کی پہلی قسم سے تعلق رکھتی ہیں، اور احادیثِ قدسیہ بھی زیادہ تر اسی قبیل سے ہیں۔

(۲) معراج کے موقع پر حضورؐ کو وحی کی دوسری قسم سے بھی مشرف فرمایا گیا۔ متعدد صحیح احادیث

کیا ہوتا ہے۔[۸۴] مگر اُس روح کو ہم نے ایک روشنی بنا دیا جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں۔ یقیناً تم سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کر رہے ہو، اُس خدا کے راستے کی طرف جو زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا مالک ہے۔ خبردار رہو، سارے معاملات اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔[۸۵] ع ۵

میں حضورؐ کو پنجوقتہ نماز کا حکم دیئے جانے، اور حضورؐ کے اُس پر بار بار عرض معروض کرنے کا ذکر جس طرح آیا ہے اُس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت اللہ اور اُس کے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ویسا ہی مکالمہ ہوا تھا جیسا دامنِ طور میں حضرت موسیٰ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوا۔

(۳) رہی تیسری قسم تو اُس کے متعلق قرآن خود ہی شہادت دیتا ہے کہ اسے جبریل امین کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا گیا ہے (البقرہ۔ ۹۷۔ الشعراء ۱۹۲ تا ۱۹۵)

۸۴ یعنی نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے کبھی حضورؐ کے ذہن میں یہ تصور تک نہ آیا تھا کہ آپ کو کوئی کتاب ملنے والی ہے، یا ملنی چاہیے، بلکہ آپ سرے سے کتبِ آسمانی اور ان کے مضامین کے متعلق کچھ جانتے ہی نہ تھے۔ اِسی طرح آپ کو اللہ پر ایمان تو ضرور حاصل تھا، مگر آپ نہ شعوری طور پر اِس تفصیل سے واقف تھے کہ انسان کو اللہ کے متعلق کیا کیا باتیں ماننی چاہییں، اور نہ آپ کو یہ معلوم تھا کہ اس کے ساتھ ملائکہ اور نبوت اور کتبِ الٰہی اور آخرت کے متعلق بھی بہت سی باتوں کا ماننا ضروری ہے۔ یہ دونوں باتیں ایسی تھیں جو خود کفارِ مکہ سے بھی چھپی ہوئی نہ تھیں۔ مکہ معظمہ کا کوئی شخص یہ شہادت نہ دے سکتا تھا کہ اس نے نبوت کے اچانک اعلان سے پہلے کبھی حضور کی زبان سے کتابِ الٰہی کا کوئی ذکر سنا ہو، یا آپ سے اس طرح کی کوئی بات سُنی ہو کہ لوگوں کو فلاں فلاں چیزوں پر ایمان لانا چاہیے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے سے خود نبی بن بیٹھنے کی تیاری کر رہا ہو تو اس کی یہ حالت تو کبھی نہیں ہو سکتی کہ چالیس سال تک اس کے ساتھ شب و روز کا میل جول رکھنے والے اس کی زبان سے کتاب اور ایمان کا لفظ تک نہ سنیں، اور چالیس سال کے بعد یکایک وہ انہی موضوعات پر دھواں دھار تقریریں کرنے لگے۔

۸۵ یہ آخری تنبیہ ہے جو کفار کو دی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی نے کہا اور تم نے سن کر رد کر دیا، اِسی پر بات ختم نہیں ہو جاتی ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب اللہ کے حضور پیش ہوتا ہے اور آخر کار اُسی کے دربار سے یہ فیصلہ ہونا ہے کہ کس کا کیا انجام ہونا چاہیے۔